# جب 'بے بسی' حقیقت معلوم ہونے لگے

انتہائی ہولناک حالات میں بھی، جہاں ہر ممکنہ صورت کی قیمت ناقابلِ برداشت محسوس ہوتی ہے، انسانی وقار انتخاب (Choice) کے ذریعے ہی برقرار رہتا ہے۔ ہم ان زخموں کا انتخاب تو نہیں کرتے جو زندگی ہمیں دیتی ہے، لیکن ہم ان کے جواب میں اپنے ردِ عمل کا انتخاب ضرور کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کا مطلب تکلیف سے انکار کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کو اس کی **قوتِ ارادی (Agency)** واپس دلاتا ہے۔ جب جبر کے تحت بقا، قربانی یا خاموشی کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے، تو ان میں سے ہر عمل اخلاقی طور پر معتبر رہتا ہے۔ انتخاب کا دائرہ محدود تو ہو سکتا ہے، مگر یہ کبھی ختم نہیں ہوتا، اور اسی کے اندر سے شفا کا آغاز ہوتا ہے۔

زندگی میں ایسے لمحات آتے ہیں جب "میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا" کا جملہ محض سرسری طور پر نہیں، بلکہ اس بوجھ کے ساتھ بولا جاتا ہے جو محفل کو خاموش کر دیتا ہے۔ یہ جملہ ایسے انتہائی سنگین حالات سے جنم لیتا ہے—جیسے ہراساں کیا جانا، جبر، تشدد، یا دھمکیاں—کہ باہر سے بیٹھ کر ان پر تنقید کرنا غیر اخلاقی محسوس ہوتا ہے۔ ایسے لمحات میں ہر واضح راستہ غلط، خطرناک، ذلت آمیز یا جان لیوا معلوم ہوتا ہے، اور ایسا لگتا ہے جیسے انتخاب کا حق ہی ختم ہو گیا ہے۔

میں نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا، "تصور کریں کہ آپ ایک ایسی صورتحال میں پھنسے ہوئے ہیں جہاں فرار ناممکن اور مزاحمت خودکشی کے مترادف معلوم ہوتی ہے، جہاں ہر راستہ ایک ناقابلِ برداشت قیمت مانگتا ہے۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ 'کوئی راستہ نہیں تھا'۔"

اس نے اپنی پیشانی سہلاتے ہوئے پیچھے ٹیک لگائی اور کہا، "اور سچ تو یہ ہے کہ... ان لمحات میں یہ صرف سننے میں ہی سچ نہیں لگتا، بلکہ یہ سچ محسوس بھی ہوتا ہے۔"

"میں آپ سے اتفاق کرتا ہوں،" میں نے جواب دیا۔ "یہ سچ محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ہم اسے حتمی حقیقت مان لیں، ہمیں دو حقیقتوں کے درمیان فرق کرنا ہوگا: ایک وہ جو انسان کے ساتھ ہو رہا ہے، اور دوسرا وہ کہ انسان اس پر کیا ردِ عمل دیتا ہے۔ ہم اکثر ان دونوں کو ایک ہی سمجھ لیتے ہیں۔"

اس نے میری طرف دیکھا، وہ منتظر تھا۔

میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "جو کچھ ہمارے ساتھ ہوتا ہے، وہ مکمل طور پر ہمارے اختیار سے باہر ہو سکتا ہے—جیسے بدسلوکی، تشدد، دھمکیاں یا جبر۔ لیکن جس لمحے ہم اندرونی یا بیرونی طور پر اس کا جواب دیتے ہیں، ہم انتخاب کے دائرے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہ دائرہ شاید ہولناک حد تک محدود ہو... لیکن اس کا وجود پھر بھی قائم ہوتا ہے۔"

وہ ہچکچایا اور بولا، "یہ محض ایک فلسفیانہ گفتگو معلوم ہوتی ہے۔ عملی زندگی میں، لوگ سکتے میں آ جاتے ہیں۔ وہ ہمت ہار کر ٹوٹ جاتے ہیں اور سوچے سمجھے بغیر حکم مان لیتے ہیں۔"

"بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے،" میں نے جواب دیا۔ "خوف ذہن کو منتشر کر دیتا ہے اور **صدمہ (Trauma)** اعصابی نظام کو مغلوب کر لیتا ہے۔ مگر اس کے باوجود، انسان کے اندر کچھ نہ کچھ کسی نہ کسی سمت میں جھکتا ہے—خواہ وہ تابعداری ہو، مزاحمت، خاموشی یا پھر قربانی۔ وہ جھکاؤ محض اتفاق نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک فیصلہ ہوتا ہے، چاہے وہ دہشت کی حالت میں ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔"

وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر پوچھا، "ان حالات کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جہاں کوئی شخص اپنے خاندان کو بچانے کے لیے ہتھیار ڈال دیتا ہے؟ کیا آپ اسے بھی ایک انتخاب کہیں گے؟"

میں نے سر ہلایا اور کہا، "جی ہاں، ایک المناک انتخاب، مگر پھر بھی ایک انتخاب۔"

وہ کچھ بے چین سا دکھائی دیا۔

میں نے بات جاری رکھی، "تصور کریں کہ ایک شخص کو دھمکی دی جاتی ہے: 'ہتھیار ڈال دو ورنہ تمہارے خاندان کو مار دیا جائے گا'۔ اگر وہ ہار مان لیتا ہے، تو اس کی قیمت اس کی غیرت، آزادی یا اندرونی سکون ہو سکتا ہے۔ اگر وہ انکار کرتا ہے، تو اس کی قیمت اس کے پیاروں کی جان ہو سکتی ہے۔ دونوں قیمتیں ناقابلِ برداشت ہیں۔ لیکن چونکہ دونوں صورتوں میں ایک قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے، اس لیے وہاں انتخاب موجود ہے۔"

اس نے سرگوشی کی، "یہ تو بہت بے رحمانہ بات ہے۔"

"بے شک ہے،" میں نے نرمی سے کہا۔ "لیکن انتخاب کے وجود سے انکار کرنا اس سے بھی زیادہ بے رحمی ہے، کیونکہ یہ انسان کو تقدیر کا ایک بے بس کھلونا بنا دیتا ہے۔ یہ عمل شاید ہمیں جرم کے احساس (Guilt) سے بچا لے، لیکن یہ ہم سے ہمارا وقار چھین لیتا ہے۔"

میں نے اسے ایک ایسی خاتون کے بارے میں بتایا جسے میں نام سے نہیں مگر جانتا تھا۔ اس نے برسوں تک جذباتی تشدد برداشت کیا تھا۔ اس کے آس پاس کے تمام لوگ یہی کہتے تھے کہ 'تمہارے پاس کوئی راستہ نہیں ہے، تمہیں یہیں رہنا ہوگا'۔ ایک دن اس نے خاموشی سے کہا، "نہیں... میں یہاں رکنے کا انتخاب کر رہی ہوں۔ فی الحال کے لیے۔ اپنے بچوں کی خاطر۔" اس ایک جملے نے سب کچھ بدل کر رکھ دیا۔ اب وہ اپنی نظروں میں کوئی مجبور شکار نہیں تھی۔ وہ ایک انتخاب کرنے والی خاتون تھی جو ایک ایسی قیمت ادا کر رہی تھی جس سے وہ خود واقف تھی۔ برسوں بعد، اس نے ایک مختلف انتخاب کیا۔ لیکن تبدیلی کا آغاز اسی دن ہوا جب اس نے اپنے انتخاب کی ملکیت دوبارہ حاصل کی۔

وہ بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

میں نے کہا، "ہر فیصلے کی ایک **متبادل کی قیمت (Opportunity Cost)** ہوتی ہے۔ آپ جس چیز کو بچانے کا فیصلہ کرتے ہیں وہی یہ طے کرتی ہے کہ آپ بدلے میں کیا قربان کرنے کو تیار ہیں۔ سنگین حالات کا المیہ یہ نہیں ہے کہ انتخاب ختم ہو جاتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ ہر دستیاب راستے کی قیمت ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ جاتی ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا اور پوچھا، "لیکن کیا مذہب اس معاملے کو مزید پیچیدہ نہیں بنا دیتا؟ کیا مذہب اکثر لوگوں کو ان کے انتخاب پر ایک ناقابلِ برداشت گناہ کے احساس میں مبتلا نہیں کر دیتا؟"

میں نے جواب دیا، "ایسا تب ہوتا ہے جب مذہب کو غلط سمجھا جائے۔ لیکن جب اسے صحیح طور پر سمجھا جائے، تو یہ کچھ اور ہی کرتا ہے۔ یہ انسان کے اپنے اختیار کو برقرار رکھتے ہوئے 'رحم دلی' کا تصور متعارف کرواتا ہے۔"

اس نے نظریں اٹھا کر میری طرف دیکھا۔

میں نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "قرآن میں ایک آیت ہے جو براہِ راست جبر (Coercion) کے بارے میں بات کرتی ہے—ایک ایسے شخص کے بارے میں جسے دھمکی کے ذریعے وہ بات کہنے پر مجبور کیا جائے جس پر وہ یقین نہیں رکھتا، جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو۔ ایسی صورتحال میں، اللہ کی طرف سے اجازت دی گئی ہے۔ ایک رخصت، ایک ریلیف۔"

یہ سن کر اس کے چہرے کے تاثرات کچھ نرم ہوئے۔

"لیکن یہاں ایک اہم نکتہ ہے،" میں نے مزید کہا، "وہ اجازت کوئی حکم نہیں ہے۔ وہ سر تسلیم خم کرنے کا مطالبہ نہیں ہے۔ اس کا سادہ سا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم اس خدائی رخصت سے فائدہ اٹھاتا ہے، تو کسی کو اسے ملامت کرنے کا حق نہیں ہے۔ اس کا وقار اور ایمان دونوں سلامت رہتے ہیں۔"

اس نے دھیرے سے سر ہلایا۔

"اور اس کے باوجود،" میں نے کہا، "اگر کوئی دوسرا شخص اسی دہشت کے سائے میں اس رخصت سے فائدہ اٹھانے سے انکار کر دے—اگر وہ اپنی جان، اپنے خاندان کی حفاظت یا اپنی غیرت قربان کرنے کا انتخاب کرے کیونکہ وہ جھک کر جینا قبول نہیں کر سکتا—تو اسے بھی ملامت نہیں کیا جائے گا۔"

اس نے گہرا سانس لیا اور کہا، "گویا دونوں راستے اخلاقی طور پر معتبر ہیں۔"

"جی ہاں،" میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ دونوں ہی فیصلے ہیں۔ ایک خدائی رخصت کے ذریعے بقا کا انتخاب کرتا ہے، اور دوسرا اخلاقی یقین کے ذریعے قربانی کا راستہ چنتا ہے۔ باہر کی محفوظ دنیا سے بیٹھ کر ان میں سے کوئی ایک بھی فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔"

مجھے ایک استاد کی سنائی ہوئی کہانی یاد آئی: تشدد کا شکار ہونے والے دو قیدی۔ ایک نے جان بچانے کے لیے وہ الفاظ کہہ دیے جن کی ممانعت تھی۔ دوسرے نے خاموشی اختیار کی اور مارا گیا۔ استاد نے کہا تھا، "وہ دونوں خدا کے حضور پیش ہوئے، بزدل اور بہادر کے طور پر نہیں، بلکہ ان انسانوں کے طور پر جن کی نیتوں کو صرف وہی جانتا تھا۔" یہ سبق برسوں سے میرے ساتھ ہے۔

میں نے کہا، "اسی لیے قانون الٰہی بھی انتہائی مشکل لمحات میں ہر چیز کو سخت ضابطوں میں نہیں جکڑتا۔ وہ اس لمحے کو ایک انسانی انتخاب کے طور پر زندہ رکھتا ہے، نہ کہ کسی مشینی فارمولے کے طور پر۔"

وہ کافی دیر تک خاموش رہا۔

آخر کار اس نے کہا، "تو جب لوگ کہتے ہیں کہ 'میرے پاس کوئی انتخاب نہیں تھا'، تو ان کا اصل مطلب یہ ہوتا ہے کہ... 'ہر راستہ قبول کرنے کے لحاظ سے بہت تکلیف دہ تھا'۔"

میں نے کہا، "بالکل۔ یہ جملہ ہمدردی کا مستحق تو ہے، مگر اسے فلسفیانہ سچائی نہیں سمجھنا چاہیے۔ جب ہم قطعی طور پر یہ مان لیتے ہیں کہ ہم بے بس تھے، تو ہم اپنی قوتِ ارادی سے مکمل طور پر دستبردار ہو جاتے ہیں۔ پھر زندگی ہی سب کچھ کرتی ہے اور ہم صرف حالات کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

اس نے کہا، "اور یہ چیز اس کے بعد آنے والے ہر عمل پر اثرانداز ہوتی ہے۔"

"جی ہاں،" میں نے جواب دیا۔ "اگر میں یہ مان لوں کہ میرے پاس کوئی راستہ نہیں تھا، تو میں نہ غور و فکر کر سکتا ہوں، نہ سیکھ سکتا ہوں اور نہ ہی آگے بڑھ سکتا ہوں۔ میں صرف زخمی اور رنجیدہ رہ سکتا ہوں۔ لیکن اگر میں یہ کہوں کہ 'میں نے ناقابلِ برداشت دباؤ میں یہ انتخاب کیا'، تو تکلیف کے باوجود میں ایک **اخلاقی ذمہ دار** (**Moral Agent**) شخص بن جاتا ہوں۔"

وہ فرش کی طرف دیکھنے لگا۔

میں نے مزید کہا، "اخلاقی فیصلے کرنے کے لیے انسان کو پہلے اس بے بسی کے تصور سے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ انسان کو یہ کہنے کی ہمت کرنی پڑتی ہے کہ: 'میں اب بھی انتخاب کر رہا ہوں'۔ صرف تب ہی ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور صرف تب ہی شفا کا عمل شروع ہوتا ہے۔"

اس نے دھیرے سے سر ہلایا۔

میں نے خاموشی سے کہا، "انتہائی حالات انسانی انتخاب کے حق کو ختم نہیں کرتے۔ وہ صرف آسان انتخاب کے واہمے کو مٹا دیتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم اپنی عزیز ترین اقدار —زندگی، خاندان، ایمان، وقار یا بقا— کے لیے کیا قیمت ادا کرنے کو تیار ہیں۔"

کمرے میں دوبارہ خاموشی چھا گئی۔ مگر اس بار یہ خاموشی بوجھل نہیں، بلکہ فکر انگیز تھی۔